مذاہبِ اربعہ کے تناظر میں بیع الاستجرار کا تحقیقی مطالعہ

A Research Based Study of "Sale of *Istijrar*" in the Context of Four Schools of Jurisprudence

بخت شید*

سعید الحق جدون**

ABSTRACT

Islamic Law has been providing solution of human problems for centuries; no law in this world has such versatility as does it. There are many living examples in every sphere of life especially in the daily affairs. In the modern fast growing world, the business affairs, international trading, banking, insurance and online business have become very widely common but Islamic Jurisprudence has completely fulfilled the solution to the aforementioned areas, one of these areas is "Sale of Istijrar".

"Sale of *Istijrar*" is referred to a contract between a seller and purchaser in which the seller sells commodities on a continuing basis, on an agreed mode of payment until they lay off the contract.

The article is an effort to analyze the issues pertaining to "Sale of Istijrar" in the context of four Schools of Islamic Jurisprudence.

☆ ایم فل سکالر، شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، پاکستان۔

☆☆ ایم فل سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان۔

تمہید

فقہ اسلامی کی یہ خصوصیت ہے کہ جیسے جیسے مسائل میں وسعت آتی رہتی ہے ویسے ویسے فقہ اسلامی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی وہ واحد قانون ہے جو ہر زمانے اور ہر مکان میں انسانیت کی بھرپور راہنمائی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے کسی قانون میں اتنی تنوع اور وسعت نہیں پائی جاتی۔ جب لوگ مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں تو فقہ اسلامی ان کے لئے آسانی کے دروازے کھول کر حقیقی معنوں میں انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، جس کی بہت ساری مثالیں زندگی کے مختلف شعبوں میں موجود ہیں، خصوصاً معاملات کا شعبہ ایسا ہے جس میں آئے روز نت نئی صورتیں سامنے آتی ہیں، بالخصوص آج کے دور میں تو اس شعبہ میں برق رفتاری کے ساتھ ترقی اور تغیر واقع ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں معاملات کے میدان میں روز بروز نئی نئی صورتیں رونما ہو رہی ہیں، مگر فقہ اسلامی اپنی ہمہ جہتی اور عالمگیریت کی وجہ سے ان تمام حالات میں انسانیت کی مکمل راہنمائی فراہم کرتے ہوئے ان کے لئے سہولت اور آسانیوں کے دروازے کھول رہی ہے، ان آسانیوں میں سے ایک صورت بیع الاستجرار کی ہے۔ جس کی تفصیل اس آرٹیکل میں عرض کی جائے گی۔

بیع الاستجرار کا لغوی معنیٰ

لفظ بیع اضداد میں سے ہے یعنی بیع لغت میں بیچنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور خریدنے کے معنی میں بھی۔ اسی طرح بیع کا اطلاق مبیع پر اور بائع کا اطلاق خریدار اور فروخت کرنے والے پر ہوتا ہے، مگر عام طور سے بائع کا اطلاق بیچنے والے پر ہوتا ہے۔ والبيع من الأضداد مثل الشراء ويطلق على كل واحد من المتعاقدين أنه بائع لكن إذا أطلق البائع فالمتبادر إلى الذهن باذل السلعة ويطلق البيع على المبيع[1]۔ استجرار کا لغوی معنیٰ ہے کھینچنا الاستجرار لغة : الجذب والسحب[2]۔ اور تھوڑا تھوڑا لینا، استجر المال اذا اخذه شيئا فشيئا[3].

بیع الاستجرار کی اصطلاحی تعریف

بیع الاستجرار کی اصطلاحی تعریف میں مختلف عبارات پائی جاتی ہیں، چند تعریفیں درج ذیل ہیں:

۱۔ بيع الاستجرار: أخذ الحوائج من البائع شيئا فشيئا ، ودفع ثمنها بعد ذلك[4].

(بیع الاستجرار کا مطلب ہے دوکاندار سے ضرورت کی چیزیں تھوڑی تھوڑی کر کے لینا اور اس کے بعد ثمن ادا کرنا)۔

۲۔ والبیع بالاستجرار یکون بغیر مساومة بین المتابعین وبغیر بیان الثمن[۵].

بیع الاستجرار وہ ہے جس میں بائع اور مشتری کے درمیان بھاؤ تاؤ نہ ہو اور نہ ثمن کا بیان ہو۔

۳۔ متاخرین فقہاء کرامؒ نے بیع الاستجرار کی یہ تعریف کی ہے: ان یاخذ الرجل من البیاع الحاجات المتعددة شیئا فشیئا دون ان یجری بینهما مساومة او ایجاب وقبول فی کل مرة[۶]. بیع الاستجرار سے مراد یہ ہے کہ انسان دوکاندار سے اپنی ضرورت کی مختلف اشیاء تھوڑی تھوڑی لیتا رہے، خریدار اور دوکاندار کے درمیان ہر مرتبہ بھاو تاو اور ایجاب و قبول کئے بغیر۔

خلاصہ تعریفات

گزشتہ تعریفات کی روشنی میں بیع الاستجرار کا حاصل یہ ہے کہ آدمی دوکاندار سے یہ طے کر لیتا ہے کہ جب مجھے کسی چیز کی ضرورت ہو گی میں آپ کی دوکان سے لیتا رہوں گا، چنانچہ جب اس کو کسی چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو وہ دوکاندار سے خود لے لیتا ہے یا کسی دوسرے کے ذریعے منگوا لیتا ہے، مگر اس میں نہ بھاؤ تاؤ ہوتا ہے، نہ ایجاب قبول ہوتا ہے اور نہ ہی ثمن کا تعین ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، پھر کچھ عرصے مثلاً مہینے کے آخر میں تمام اشیاء کا حساب ہو جاتا ہے اور خریدار دوکاندار کو ادائیگی (پیمنٹ) کر دیتا ہے۔ موجودہ دور میں اس بیع کا رواج کافی زیادہ ہو چکا ہے، خصوصاً تنخواہ دار طبقہ کے حضرات عام طور پر ایسا ہی کرتے ہیں کہ دوکاندار سے مہینہ بھر مختلف چیزیں لیتے رہتے ہیں، اور قیمت کا تعین وغیرہ کچھ نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات خریدار کو قیمت بھی معلوم نہیں ہوتی، پھر تنخواہ لینے کے بعد حساب کر کے پیمنٹ کر دیتا ہے۔

بیع الاستجرار قیاس کی رو سے

فقہی قواعد کی رو سے یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ اس کے منعقد ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ جس وقت آدمی دوکاندار سے چیز لے لے اسی وقت بیع منعقد ہو، چونکہ خریدتے وقت عموماً نہ بھاؤ تاؤ ہوتا ہے اور نہ ہی ثمن طے ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں ثمنِ مجہول کے ساتھ بیع منعقد ہونے کی خرابی لازم آئے گی، جبکہ یہ مسلم اصول ہے کہ ثمنِ مجہول کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوتی، چنانچہ

علامہ سعدیؒ بیع کو فاسد کرنے والی چیزوں کا بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ویفسد البیع سبعة اشیاء أحدها جهالة الثمن[٧]۔(بیع کو سات چیزیں فاسد کرتی ہیں، جن میں پہلی چیز ثمن کا مجہول ہونا ہے)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس وقت خریدار پیسوں کی ادائیگی کر رہا ہے (مثلاً مہینے کے آخر میں) اس وقت بیع منعقد ہو جائے، اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں: پہلی یہ کہ اس چیز کی بیع منعقد ہونے سے پہلے خریدار اس کو استعمال کر چکا ہے، جبکہ یہ درست نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ معدوم کی بیع لازم آئے گی، کیونکہ غالب یہ ہے کہ خریدار اس چیز کو استعمال کر کے ختم کر چکا ہو گا، اور معدوم کی بیع باطل ہے، فالأصل عدم انعقاد هذا البيع ؛ لأن المبيع معدوم وقت الشراء ، ومن شرائط المعقود عليه أن يكون موجودا[٨]۔ اصل یہ ہے کہ یہ بیع منعقد نہ ہو کیونکہ خریداری کے وقت مبیع معدوم ہے، جبکہ معقود علیہ (جس چیز کو خریدا جا رہا ہو) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ موجود ہو۔ اسی طرح امام برہان الدین فرماتے ہیں: بيع المعدوم باطل[٩]. (معدوم کی بیع باطل ہے)۔

بیع الاستجرار کے بارے میں فقہاء شافعیہ کا مسلک

اکثر فقہاء شافعیہؒ بیع الاستجرار کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ علامہ دمیاطیؒ فرماتے ہیں:

"والاستجرار من بياع باطل اتفاقا أي إلا إن قدر الثمن في كل مرة على أن الغزالي سامح فيه"[١٠].

(بیع استجرار بالاتفاق باطل ہے، البتہ اگر ہر مرتبہ خریدتے وقت ثمن طے ہو جائے تو جائز ہے۔ تاہم امام غزالیؒ نے اس میں تسامح کیا ہے (وہ اس کے جواز کے قائل ہیں)

علامہ شربینی خطیبؒ اس کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما إذا كان يأخذ من البياع ويحاسبه بعد مدة ويعطيه كما يفعل كثير من الناس فإنه باطل بلا خلاف؛ لأنه ليس ببيع لفظي ولا معاطاة فليعلم ذلك وليحذر منه ولا يغتر بكثرة من يفعله قال الأذرعي وهذا ما أفتى به البغوي وذكر ابن الصلاح في فتاويه نحوه والظاهر أنه قاله تفقها ومن كلامه أخذ المصنف. لكن الغزالي في الإحياء مسامح في ذلك فقال وأخذ الحاجة من البياع يقع على ضربين أحدهما أن يقول أعطني بكذا لحما أو خبزا مثلا وهذا هو الغالب فيدفع إليه مطلوبه فيقبضه ويرضى به ثم بعد مدة يحاسبه ويؤدي ما اجتمع عليه فهذا مجزوم بصحته عند من يجوز

المعاطاة فيما أراه والثاني أن يلتمس مطلوبه من غير تعرض لثمن كأعطني رطل خبز أو لحم مثلا فهذا محتمل وهو ما رأى الغزالي إباحته ومنعها المصنف"[11].

(جب کوئی شخص کسی دوکاندار سے چیزیں لیتا رہے اور کچھ عرصے کے بعد اس کے ساتھ حساب کر کے اس کو ثمن دیدے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں، یہ بالاتفاق باطل ہے، کیونکہ یہ نہ بیع ہے اور نہ معاطاۃ (بیع تعاطی) اس کو سمجھنا چاہئے اور اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور اکثر لوگوں کے کرنے کی وجہ سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ البتہ امام غزالی نے اس میں تسامح سے کام لیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: دوکاندار سے ضرورت کی چیزیں لینے کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم جو کہ غالب ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً خریدار کہے مجھے اتنے کا گوشت یا روٹی دیدیں، تو بیچنے والا اس کو مطلوبہ اشیاء فراہم کرتا ہے خریدار اس پر قبضہ کرتا ہے اور اس پر راضی ہو جاتا ہے پھر کچھ عرصے کے بعد وہ بیچنے والے کے ساتھ حساب کرتا ہے اور اس کے ذمے جو رقم واجب ہوتی ہے اس کی ادائیگی کر لیتا ہے، میرے خیال میں یہ صورت ان حضرات کے نزدیک یقیناً صحیح ہے جو معاطاۃ کے قائل ہیں)۔ دوسری قسم یہ ہے کہ خریدار ثمن (قیمت) کا ذکر کئے بغیر بیچنے والے سے اپنی مطلوبہ اشیاء طلب کرے، مثلاً یوں کہے کہ مجھے ایک رطل روٹی یا گوشت دیدیں، اس کے جائز ہونے کا احتمال (امکان) ہے، امام غزالیؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ مصنفؒ (علامہ نوویؒ (۶۷۶ھ)) نے اس سے منع فرمایا ہے)۔

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ فقہاء شافعیہ میں سے امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) بیع الاستجرار کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ علامہ نوویؒ اور دیگر حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

فقہاء حنابلہ کا مذہب

بیع الاستجرار کے بارے میں ان حضرات کی عبارات مختلف ہیں، امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں، علامہ ابن مفلحؒ (۸۸۴ھ) "النکت والفوائد" میں تحریر فرماتے ہیں:
''ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو سنا آپ سے کسی نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو سبزی فروش چیزیں لیتا رہے اور بعد میں حساب کرتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا: امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہو گی۔ ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ یہ بیع اسی وقت منعقد ہو گی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ شیخ تقی الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ سے جس بیع کے بارے میں پوچھا گیا تھا اس

میں مشتری کا مبیع پر قبضہ کرنے اور اس میں تصرف کرنے کے بعد فریقین ثمن پر متفق ہو گئے تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا اس صورت میں بیع قبضہ کے وقت منعقد نہیں ہوتی، بلکہ حساب کے وقت بیع منعقد ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ بازاری قیمت پر بیع صحیح ہے(۱۲)۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک بیع الاستجرار بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) پر جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قیمؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ بھی بیع الاستجرار کے جواز کے قائل ہیں، علامہ ابن قیمؒ "اعلام الموقعین" میں فرماتے ہیں:

"والقول الثاني وهو الصواب المقطوع به وهو عمل الناس في كل عصر ومصر جواز البيع بما ينقطع به السعر وهو منصوص الإمام أحمد واختاره شيخنا... وليس في كتاب الله ولا سنة رسوله ولا إجماع الأمة ولا قول صاحب ولا قياس صحيح ما يحرمه"(۱۳)۔

(دوسرا قول جو کہ قطعی طور پر درست ہے، اور ہر زمانے اور ہر علاقے میں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر بیع جائز ہے، اور یہ امام احمدؒ سے صراحتاً منقول ہے، اور اس کو ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہؒ) نے ترجیح دی ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب، سنتِ رسول اللہ ﷺ، اجماعِ امت، کسی امام کے قول اور قیاسِ صحیح میں سے کوئی اس کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا)۔

مالکیہ کا مذہب

امام مالکؒ موطا میں فرماتے ہیں: "ولا بأس أن يضع الرجل عند الرجل درهما ثم يأخذ منه بربع أو بثلث أو بكسر معلوم سلعة معلومة فإذا لم يكن في ذلك سعر معلوم وقال الرجل آخذ منك بسعر كل يوم فهذا لا يحل لأنه غرر يقل مرة ويكثر مرة"(۱۴).

(اگر کوئی شخص دوسرے کے پاس ایک درہم رکھوائے پھر اس سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی درہم یا درہم کے کسی متعین حصے کے عوض کوئی متعین چیز خرید لے اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس چیز کی متعین قیمت نہ ہو، اور وہ آدمی دوکاندار سے کہے کہ میں آپ سے روزانہ کی قیمت پر خریدتا ہوں تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر (دھوکہ) ہے، قیمت کبھی گھٹتی ہے کبھی بڑھتی ہے)۔

اس عبارت میں پیشگی ثمن کی ادائیگی کی صورت میں بیع الاستجرار کا حکم بیان ہوا ہے، کہ اگر اس چیز کی قیمت متعین ہو تو بیع الاستجرار جائز ہے ورنہ جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں ثمن مجہول ہے۔ اگر ثمن کی ادائیگی بعد میں کی جائے تو امام مالکؒ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا لیکن ثمن مقدم ہونے

کی صورت میں عدمِ جواز کی وجہ جہالتِ ثمن ہے، لہٰذا اگر ثمن موخر ہو اور قیمت متعین ہو تب بھی بیع جائز ہو گی، اور اگر قیمت متعین نہ ہو تو جہالتِ ثمن کی وجہ سے بیع ناجائز ہو گی۔

فقہاءِ احناف کا مذہب

احناف میں سے متاخرین فقہاء کرامؒ نے بیع الاستجرار کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، خواہ دوکاندار سے اشیاء خریدتے وقت ثمن کا ذکر نہ ہوا ہو، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانا"[۱۵].

(انسان وقتاً فوقتاً دوکاندار سے جو چیزیں خریدتا ہے، جب اس کے استعمال کرنے کے بعد ان کا حساب کر لے تو ازروئے استحسان یہ جائز ہے)۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية الأشياء التي تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعد ما انعدمت صح"[۱۶]۔

(جسے فقہاء کرام نے تسامح سے کام لیتے ہوئے اس قاعدے سے خارج کیا ہے، وہ قنیہ میں مذکور ہے، اور وہ ایسی اشیاء ہیں جو دوکاندار سے عقدِ بیع کئے بغیر خرچ کرنے کے لیے لی جاتی ہیں، جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے مثلاً نمک اور تیل وغیرہ، پھر ان اشیاء کے معدوم ہو جانے کے بعد دوکاندار سے خرید لیتے ہیں، تو یہ بیع جائز ہے)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متاخرین احناف نے بیع الاستجرار کو استحساناً جائز قرار دیا ہے اور اس میں نہ مارکیٹ ریٹ کی شرط لگائی ہے نہ ہی خریدتے وقت ثمن متعین کرنے کی۔

بیع الاستجرار کی فقہی تکییف عباراتِ فقہاءؒ کی روشنی میں

بیع الاستجرار کی تکییف کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات مختلف ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع الاستجرار کی دو قسمیں ہیں:

بیع الاستجرار کی پہلی قسم

پہلی قسم یہ ہے کہ خریدار پیشگی رقم نہ دے بلکہ مختلف اشیاء لینے کے کچھ عرصے کے بعد حساب کر کے ادائیگی کرے، اس کی تین صورتیں ہیں:

قسمِ اول کی پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص دوکاندار سے کوئی چیز خریدے تو دوکاندار اس کو ثمن بتا دیا کرے، یا بتائے بغیر ثمن دونوں کو معلوم ہو، یہ صورت جمہور فقہاء کرامؒ (احناف، مالکیہ، حنابلہ اور شوافع میں سے امام غزالی اور ابن سریج) کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ہر چیز کی خریداری کے وقت تعاطی کے ذریعے بیع منعقد ہو جائے گی، اور اس میں نہ جہالتِ ثمن کی خرابی لازم آئے گی نہ ہی معدوم چیز کی بیع کی۔

(إن الإنسان يأخذ ما يحتاج إليه شيئا فشيئا مع العلم بالثمن وقت الأخذ ، ثم يحاسبه بعد ذلك. وهذا البيع جائز ولا خلاف في انعقاده ، لأنه كلما أخذ شيئا انعقد بيعا بثمنه المعلوم ، ويكون بيعا بالتعاطي ، والبيع بالتعاطي ينعقد)[۱۷].

قسمِ اول کی دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خریداری کے وقت ثمن کا ذکر نہ ہو، لیکن ابتداء میں فریقین کے آپس میں بات چیت کے وقت یہ طے ہوا ہو کہ خریدار جس دن بھی کوئی چیز خریدے گا اس دن کی مارکیٹ ریٹ کے حساب سے خریدے گا۔ اس صورت کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ بازاری قیمت پر کسی چیز کی خریداری جائز ہے یا نہیں؟

ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ اصول معروف ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر یا ثمنِ مثل پر یا کسی چیز کی لکھی ہوئی قیمت پر بیع اس وقت تک جائز نہیں جب تک اسی مجلس میں فریقین کو اس کی قیمت متعین طور پر معلوم نہ ہو جائے۔ البتہ شافعی اور حنبلی مسلک میں یہ ایک روایت یہ موجود ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر بیع جائز ہے۔ شافعیہؒ کی روایت کو امام نوویؒ نے علامہ رافعیؒ کے حوالے سے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"وحكى الرافعي وجها ثالثا أنه يصح مطلقا للتمكن من معرفته كما لو قال بعت هذه الصبرة كل صاع بدرهم يصح البيع وإن كانت جملة الثمن في الحال مجهولة وهذا ضعيف شاذ"[۱۸].

(علامہ رافعیؒ نے تیسری صورت یہ ذکر کی ہے کہ یہ مطلقاً صحیح ہے، کیونکہ معرفتِ ثمن ممکن ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے غلے کا یہ ڈھیر ہر صاع فی درہم کے حساب سے فروخت کیا (تو یہ بیع جائز ہے) اگرچہ کل ثمن فی الحال مجہول ہے، لیکن یہ قول ضعیف اور شاذ ہے)۔

حنابلہ کے مذہب کو شیخ تقی الدینؒ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: "معناه صحة البيع بالسعر"[۱۹]. اس کا مطلب یہ ہے کہ بازاری قیمت پر بیع صحیح ہے۔

فقہاء کرام کے کلام اور دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء دو قسم پر ہیں:

1۔ پہلی قسم وہ چیزیں ہیں جن کے مختلف افراد کی قیمتیں مختلف ہوتی ہیں، اور ان افراد کی قیمتیں کسی معیار کے ذریعے متعین نہیں کی جا سکتیں، چنانچہ بعض تاجر انہیں دس روپے میں بیچتے ہیں جبکہ دیگر اس سے کم یا زیادہ میں بیچتے ہیں۔ جن حضرات فقہاء نے مارکیٹ ریٹ پر بیچنے کو حرام قرار دیا ہے ان کی مراد اس قسم کی اشیاء ہیں، کیونکہ جب بازاری قیمت متعین نہیں تو ثمن میں ایسی جہالت ہے جو نزاع اور جھگڑے کا باعث بن سکتی ہے۔

۲۔ دوسری قسم ان اشیاء کی ہے جن کے افراد کی قیمتیں مختلف نہیں ہوتیں، بلکہ ان کی قیمتیں ایک خاص معیار کے اعتبار سے ہوتی ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتی ہیں، جن میں اختلاف اور نزاع کا خطرہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ جن حضرات فقہاء نے مارکیٹ ریٹ پر بیع کو جائز قرار دیا ہے ان کی مراد اس قسم کی چیزیں ہیں، کیونکہ اس طرح کے معیار کا بیان ایسا ہے جیسے ثمن کا بیان ہو[۲۰]۔ علامہ ابن ہمامؒ نے اسی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ومما لا يجوز البيع به البيع بقيمته أو بما حل به أو بما تريد أو تحب أو براس ماله أو بما اشتراه أو بمثل ما اشترى فلان لا يجوز فإن علم المشتري بالقدر في المجلس فرضيه عاد جائزا...وكذا لا يجوز بمثل ما يبيع الناس إلا أن يكون شيئا لا يتفاوت كالخبز واللحم"[۲۱].

(جن چیزوں کے بدلے بیع جائز نہیں ان میں سے قیمت کے بدلے یا جتنی قیمت پر پڑا ہے یا جتنی قیمت پر آپ کو پسند ہو یا راس المال کے بدلے یا جس پر خریدا ہے یا جس کی مثل پر فلاں نے خریدا ہے، یہ سب ناجائز ہیں۔ اسی طرح یہ کہہ کر بیچنا جائز نہیں کہ جتنی قیمت پر لوگ بیچتے ہیں البتہ اگر ایسی چیز ہو جس کے افراد کی قیمت میں تفاوت نہ ہو جیسے روٹی گوشت وغیرہ (تب جائز ہے))۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"وهذا فيما ارى أعدل الأقوال و أوفق بالأصول المجمع عليها"[۲۲].

(میری رائے میں یہ قول بہت معتدل اور اصول متفقہ کے موافق ہے)۔

کیونکہ مارکیٹ ریٹ پر بیع کے ناجائز ہونے کی وجہ ثمن میں ایسی جہالت ہے جو نزاع اور جھگڑے کا باعث بن سکتا ہو، جبکہ یہاں ایک طے شدہ اور متعین معیار کی تعین کی وجہ سے نزاع کا کوئی احتمال نہیں، لہٰذا

بیع جائز ہو گی۔ آج کے زمانے میں بہت سی ایسی اشیاء وجود میں آچکی ہیں جن کا ثمنِ مثل ایسے معیار سے متعین ہو سکتا ہے جس میں نزاع کا احتمال نہیں رہتا، چنانچہ اس طرح کی اشیاء میں مارکیٹ ریٹ پر بیع الاستجرار جائز ہو گی۔ جیسے لوگ اخبار فروشوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ وہ روزانہ خریدار کے گھر میں اخبار پھینکتا ہے کہ مہینے کے آخر میں اخبار کے طے شدہ نرخ کے اعتبار سے حساب ہو گا، جبکہ بسا اوقات خریدار کو اس کی قیمت کا علم نہیں ہوتا، لیکن وہ اس طرح معروف اور متعین ہے کہ اس کے افراد کی قیمتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اس دوسری صورت میں اگر اس چیز کی قیمت معروف اور متعین ہو تو خریدار کا قبضہ کرتے ہی بیع منعقد ہو جائے گی، لیکن اگر ریٹ متعین نہ ہو تو اس کا حکم تیسری صورت والا ہے، جو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے[۲۳]۔

قسمِ اول کی تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ خریدار رقم شروع میں نہ دے بلکہ اشیاء استعمال کرنے کے بعد دیدے، اور قبضہ کرتے وقت قیمت متعین نہ ہو، اور نہ ہی فریقین نے شروع میں ثمن کی تعیین کے لئے کسی خاص شرح اور ایسے پیمانے پر اتفاق کیا ہو جس کے بعد نزاع کا اندیشہ نہ رہتا ہو، بلکہ عاقدین لاپرواہی کے ساتھ معاملہ کرتے رہیں اور ثمن کی طرف تعرض ہی نہ کریں، اس صورت میں بلاشبہ ثمن میں ایسی جہالت ہے جو نزاع اور اختلاف کا باعث بن سکتی ہے، چنانچہ اس صورت میں قبضہ کے وقت بیع منعقد نہیں ہو گی، بلکہ یہ معاملہ اس وقت تک فاسد رہے گا جب تک حساب نہ ہو جائے، البتہ متاخرین احنافؒ نے فرمایا ہے کہ حساب کے وقت جب فریقین کسی قیمت پر اتفاق کر لیں اس وقت یہ معاملہ صحیح ہو جائے گا۔ پھر اس معاملہ کے صحیح ہونے کی بنیاد کیا ہو گی؟ اس بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حساب کے وقت یہ معاملہ بیع کے طریقے پر صحیح ہو جاتا ہے، گویا جب قیمت پر اتفاق ہو گیا تو اس وقت ان تمام اشیاء کی بیع ہو گئی۔

مذکورہ صورت پر اشکالات

اس تکییف پر پہلا اشکال یہ ہے کہ حساب کے وقت تو بہت ساری اشیاء ختم ہو چکی ہوں گی، تو معدوم کی بیع کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ معدوم کی بیع ہے جو کہ ناجائز ہے لیکن عرف، تعامل اور عموم بلویٰ کی وجہ سے استحساناً اس کو جائز قرار دیا جائے گا۔

"أجازوا بيع المعدوم هنا استحسانا ، وذلك كما في البحر الرائق والقنية"[۲۴].

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں مشتری کا بیع اور ملکیت سے پہلے تصرف کرنا لازم آتا ہے جبکہ ملکیت سے پہلے کسی چیز میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ تصرف مالک کی اجازت سے ہے لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔

بعض دیگر فقہاء کرام نے اس معاملہ کی تخریج "ضمان المتلفات" کی بنیاد پر کی ہے،

"وقال بعض الحنفية : ليس هذا بيع معدوم، إنما هو من باب ضمان المتلفات بإذن مالكها عرفا، تسهيلا للأمر ودفعا للحرج، كما هو العادة"[۲۵].

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع نہیں کیونکہ اشیاء لیتے وقت قیمت مجہول ہے اور حساب کے وقت مبیع معدوم ہے لہٰذا اس کو بیع نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ قبضہ کرنے والا ان اشیاء کو قرض کے طور پر لیکر استعمال کرلیتا ہے اور بعد میں باہمی اتفاق سے طے شدہ رقم کے ذریعے اس کی قیمت کا ضمان دیدیتا ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ قرض صرف مثلیات میں جائز ہے (ان اشیاء میں جائز ہے جن کی مثل پائی جاتی ہو)، اور ذوات القیم اشیاء میں احناف کے نزدیک قرض جائز نہیں۔

لأن القرض إنما يكون في المثليات واستقراض غيرها فاسد يحرم تعاطيه[۲۶].

کیونکہ قرض صرف مثلیات میں جائز ہے، اس کے علاوہ باقی اشیاء میں قرض فاسد اور ناجائز ہے۔

حالانکہ استجرار کا معاملہ مثلیات کی طرح قیمیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ اس کے جواب میں رقمطراز ہیں:

"قلت كل هذا قياس وقد علمت أن المسألة استحسان ويمكن تخريجها على فرض الأعيان ويكون ضمانها بالثمن استحسانا"[۲۷].

(ان اشکالات کا تعلق قیاس سے ہے، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع الاستجرار کا جواز استحسان کی رو سے ہے، اور اس کی یہ تخریج ہو سکتی ہے کہ یہ اعیان کو بطورِ قرض لینا ہے اور بعد میں ازروئے استحسان ثمن کے ذریعے اس کا ضمان ادا کرنا ہے)۔

یعنی قیمیات میں قرض کے ناجائز ہونے سے بیع الاستجرار عرف اور تعامل کی وجہ سے استحساناً مستثنٰی ہے، جس کی وجہ سے استجرار میں ذوات القیم کا قرض بھی جائز ہے۔

قسم اول کا خلاصہ

ثمن مؤخر کے ساتھ بیع الاستجرار کے حکم کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اگر بائع مشتری کو ہر مرتبہ اشیاء خریدتے وقت قیمت بتاتا رہے تو ہر قبضہ کے وقت بیع صحیح ہو جاتی ہے۔

۲۔ اگر بائع ہر مرتبہ قیمت نہ بتائے، البتہ فریقین اس بات پر متفق ہوں کہ بیع مارکیٹ ریٹ پر ہو گی اور مارکیٹ ریٹ اس طرح معلوم ہو کہ اس میں اختلاف کا اندیشہ نہ ہو، تو راجح یہ ہے کہ ہر قبضہ کے وقت بیع صحیح ہو جاتی ہے۔

۳۔ اگر قبضہ کے وقت مبیع کی قیمت مجہول ہو، یا فریقین اس پر متفق ہوں کہ معاملہ مارکیٹ ریٹ پر ہو گا مگر مارکیٹ ریٹ میں تفاوتِ فاحش ہو کہ جس کی تعیین میں اختلاف کا اندیشہ ہو، تو قبضہ کے وقت بیع صحیح نہ ہو گی، بلکہ حساب کے وقت صحیح ہو جائے گی۔ اور اس کی نسبت قبضہ کے وقت کی طرف ہو گی، لہٰذا قبضہ کرنے والے کی ملکیت قبضہ کے وقت ہی سے ثابت ہو گی، اور اس چیز میں اس کے تمام تصرفات قیمت کی ادائیگی کے بعد جائز قرار پائیں گے۔

بیع الاستجرار کی دوسری قسم

استجرار کی دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار ایڈوانس میں دوکاندار کو کچھ رقم دیدے، پھر اس سے تھوڑی تھوڑی چیزیں وقتاً فوقتاً لیتا رہے، اور کچھ عرصے مثلاً مہینے کے بعد تمام اشیاء کا حساب ہو جائے، اس قسم میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ پہلی بات ثمن کی جہالت ہے، اس میں وہی تفصیل ہے جو ثمنِ مؤخر میں گزر چکی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ خریدار جو رقم ایڈوانس دیتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس میں تین احتمالات ہیں: ۱۔ یہ ثمنِ مقدم ہو۔ ۲۔ امانت ہو۔ ۳۔ قرض ہو۔ ان تینوں احتمالات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ اس رقم کو دو وجہوں سے ثمنِ مقدم قرار نہیں دیا جا سکتا پہلی وجہ یہ ہے کہ ثمن بیع کے بعد دیا جاتا ہے، اور بیع کے لئے مبیع کی ذات، وصف اور مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے، جبکہ بیعِ استجرار میں ایسا نہیں ہوتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ثمنِ مقدم کے ساتھ بیع صرف سلم اور استصناع میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر اس کو ثمنِ

مقدم کہا جائے تو اس کے لئے سلم اور استصناع کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہو گا، جبکہ بیع الاستجرار میں عموماً یہ شرائط نہیں پائی جاتیں۔

۲۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ رقم بائع (بیچنے والے) کے پاس امانت ہے اور خریدار جس چیز کو خرید کر اس پر قبضہ کرتا رہتا ہے اس کے بقدر اس رقم میں سے قیمت بن جائے گی اور باقی رقم اس کے پاس امانت رہے گی۔ یہ صورت مشکل بلکہ عملاً متعذر ہے کیونکہ امانت ہونے کی صورت میں بیچنے والے کے لئے اس رقم میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہو گا، حالانکہ عملاً ایسا نہیں ہوتا، بلکہ بائع اس رقم پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لاتا ہے۔

۳۔ اگر اس رقم کو قرض قرار دیا جائے تو بائع (بیچنے والے) کے لئے اس کا استعمال جائز ہو گا، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ ایسا عقدِ قرض ہے جس میں بیع کی شرط ہے، تو یہ بیع عقدِ قرض میں مشروط ہے، اور یہ شرط عقدِ قرض کے مقتضیٰ کے خلاف ہے؛ اس لئے یہ صورت فاسد ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ شرط مقتضیٰ عقد کے خلاف ہے لیکن یہ متعارف ہے کیونکہ عرف میں اس طرح رقم دینے کا مقصد قرض دینا نہیں ہوتا بلکہ مستقبل میں ہونے والی بیع کے نتیجے میں خریدار کے ذمے عائد ہونے والے ثمن سے ذمے کو فارغ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

نتائج بحث

۱۔ بیع الاستجرار اصول اور قیاس کے اعتبار سے ناجائز ہے، مگر تعامل اور عرف کی وجہ سے اکثر فقہاء متاخرین اس کے جواز کے قائل ہیں۔

۲۔ یہ بہت ہی اہم بیع ہے اور عصرِ حاضر میں تقریباً سبھی لوگ کسی نہ کسی درجے میں اس کو اپنائے ہوئے ہیں۔

۳۔ فقہاء حنابلہؒ کے نزدیک بیع الاستجرار صرف بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) پر جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر ثمن متعین ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں، متاخرین احناف کے نزدیک اس کی تمام صورتیں جائز ہیں، خواہ ادائیگی پیشگی ہو یا بعد میں، اور ثمن متعین ہو یا نہ ہو، جبکہ فقہاء شافعیہ میں سے امام غزالیؒ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ حاصل یہ کہ جمہور فقہاء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ حنفی، زین الدین ابن نجیم (م۹۷۰ھ)،البحر الرائق، دار المعرفۃ، بیروت،۵،/۲۷۷۔

۲۔ الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، دارالسلاسل، کویت، ط: ۲، ۹/۴۳۔

۳۔ بحوث فی قضایا فقهية معاصرة ، مکتبہ دارالعلوم کراچی،۱۴۲۵ھ، ۱/۵۵۔

۴۔ الموسوعة الفقهية الكويتية، ۹/۴۳۔

۵۔ علی حیدر، درر الحكام شرح مجلة الأحكام، دار الکتب العلمیہ، بیروت،۱/۱۵۷۔

۶۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی،فقه البیوع علی المذاهب الاربعة، ۱/۲۳۔

۷۔ سغدی، ابوالحسن علی بن الحسین (م۴۶۱ھ)، النتـــــف في الفتـــــاوی، مؤسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ،۱/۴۷۴۔

۸۔ الموسـوعة الفقهيـة الكويتيـة، وزارة الأوقـاف والشـئون الإسـلامية، کویت، ط: ۲،دارالسلاسل، کویت، ۹/۴۳۔

۹۔ نجاری، محمود بن حمد بن صدر شہید،المحيط البرهاني، دار احیاء التراث العربی، مصر،۶/۳۱۰۔

۱۰۔ دمیاطی، ابو بکر ابن سید محمد شطا، إعانة الطالبين، دار الفکر، بیروت،۳/۴۔

۱۱۔ شربنی، محمد الخطیب،مغني المحتاج، دار الفکر، بیروت، ۲/۳،۴۔

۱۲۔ حنبلی، ابواسحاق، ابراہیم بن محمد (م ۸۸۴ھ)، النکت والفوائد، مکتبۃ المعارف، الریاض،۱۴۰۴ھ،۱/۲۹۸۔

۱۳۔ ابن القیم، محمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ، إعلام الموقعين، دار الجیل، بیروت،۱۹۷۳م، ۴/۶۔

۱۴۔ مالک بن انس، ابوعبداللہ،موطأ الإمام مالك، دار احیاء التراث العربی، مصر، ۲/۶۵۰۔

۱۵۔ حصکفی، محمد علاء الدین بن علی (م۱۰۸۸ھ) الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۶ھ، ۴/۵۱۶۔

۱۶۔البحر الرائق، ۵/۲۷۹۔

۱۷۔الموسوعة الفقهية الكويتية، ۹/۴۴۔

۱۸۔ نووی، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف (م۶۷۶ھ)، المجموع شرح المهذب، ۹/۳۳۳۔

۱۹۔ حنبلی، ابو اسحاق، ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن مفلح (م ۸۸۴ھ)، النکت والفوائد السنية على مشكل المحرر، ، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط: ۱۴۰۴ھ،۱/۲۹۹۔

۲۰۔ عثمانی، مفتی محمد تقی، بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ،مکتبہ دارالعلوم کراچی،۱۴۲۵ھ، ۱/۶۱۔

۲۱۔ کمال الدین، سیواسی، محمد بن عبدالواحد(م۶۸۱ھ) ، شرح فتح القدیر ، دارالفکر، بیروت، ۶/۲۶۰۔

۲۲۔ بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ۱/۶۲۔

۲۳۔ ایضاً ۔

۲۴۔الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ۹/۴۳۔

۲۵۔ ایضاً ۔

۲۶۔ شامی،ابن عابدین، محمد امین بن عمر(م۱۲۵۲ھ) ، رد المحتار ، دارالفکر،بیروت، ۱۴۲۱ھ، ۸/۴۱۴۔

۲۷۔ ایضاً، ۴ /۵۱۶۔